جانبازِ ملّت

بشیر

قائدِ ملت رحمتہ اللہ علیہ کی اچانک رحلت پر

بشیر النساء بیگم بشیر
دارالحریت، دبیرپورہ
حیدرآباد دکن

جانبازِ ملّت

آہ! اک درماندہ مفلس قوم کا چشم و چراغ!
منکشف جس کی نگاہوں پر تھے منزل کے سراغ!

چل رہا تھا، قوم کو لے کر اندھیری رات میں
اور گمِ آفاق تھے، اُس کی مقدس ذات میں

مُطمئن ملت تھی، میرِ کارواں بشاش تھا
جادۂ منزل کا، ایک اک راز اُس پر فاش تھا!

صُبح کے آثار پیدا تھے، فضا پُر نور تھی
اور دکھائی دے رہی تھی، منزلِ مقصود بھی!

آہ! ایسے میں اچانک ایک طوفاں آ گیا
چھا گئیں تاریکیاں، اور کارواں لُوٹا گیا!

آہ! کس مُنھ سے کہوں ہیں سو گیا شیرِ دکن!
وہ کہ، جس کے نام نے زندہ کیا نامِ وطن!

جس کے ہر انداز سے تھی سطوتِ مومن عیاں
جس کی پیشانی پہ تاباں تھے قیادت کے نشاں

جس کی جاں پُرسوز تھی، جس کا سخن تھا دلنواز
جس کی آہیں کارگر، جس کی نگاہیں کارساز!

اُس کے مرنے کی خبر ویرانیاں برسا گئی
ملّتِ اسلامیہ پر مُردنی سی چھا گئی

منتشر شیرازۂ تنظیمِ ملّت ہو گیا
فرطِ غم میں ہر کس و ناکس سراپا کھو گیا

برق آسا گردشِ دوراں نے ڈھایا انقلاب!
دوپہر کی چھاؤں میں، ڈوبا دکن کا آفتاب!

اے بہادر یار جنگ! اے قائدِ روشن ضمیر!
صاحبِ الہام، دربارِ رسالت کے سفیر!

اے امیرِ کارواں، اے تاجدارِ حریّت
تجھ سے قائم تھی جہاں میں رفعتِ انسانیت

اے شہنشاہِ خطابت! نازشِ اردو زباں
کس قدر نازاں تھی تجھ پر مادرِ ہندوستاں!

درد مندوں کا، غریبوں، مفلسوں کا غمگسار
سلطنت کا پاسباں، شاہِ دکن کا جاں نثار!

اے امیرِ پاک بیں! درویش دل جاگیردار
خدمتِ مخلوق اور ایثار تھا تیرا شعار

تو غریبوں میں غریب اور تھا امیروں میں امیر
حق پرستی پر سدا قائم رہا تیرا ضمیر!

تیرے حُسنِ خلق کی تاثیر عالمگیر ہے!
آج دل میں ہر مسلماں کے تری تصویر ہے!

برقِ ایمن تھا سراسر تیرا اندازِ بیاں
عزم سے تیرے لرزتا تھا، غرورِ آسماں

ٹولیاں لاکھوں کی، آتی تھیں تری آواز پر
دنگ رہتا تھا زمانہ، اُس ترے اعجاز پر

وہ تدبر، وہ فصاحت، وہ نوائے آتشیں
آگ بھڑکاتا دلوں میں وہ ترا سوزِ یقیں

تیرا ہر انداز، ہر حالت میں جاں پرور رہا
جو ترے دل میں رہا، وہ سب سے منوا کر رہا

عظمتِ مسلم کے مظہر، وہ ترے اجلاسِ عام
جشنِ نوروزی مناتی تھی شبِ "دار السلام"!

جگمگاتے شہ نشیں پر، جلوہ فرمائی تری
اور انسانی سمندر پر وہ دارائی تری!

یاد ہیں وہ تیری رنگا رنگ بزم آرائیاں
وہ تری شعلہ نوائی کی فلک پیمائیاں!
دم بخود رکھتی تری تقریر کی جادوگری
صُبح تک بھی گرم رہتی تھی وہ بزمِ ساحری
تیری یکسر خاموشی پر، اب ہر اک حیران ہے!
ہر دکن ویران، اور ہندوستاں سنسان ہے!
کیسے کیسے آئے ہیں طوفان تیرے سامنے
کس قدر موزوں تھے تیرے ہاتھ اُن کو تھامنے!
سابقہ تیرا بہار و باد و باراں سے رہا
ہر جنوں وابستہ تیرے ہی گریباں سے رہا!

آہ، تیری جان کتنے بار جوکھم میں رہی
ہر مہم پہ تیری ہمت سعیِ پیہم میں رہی
معرکہ تیرا سراسر سحرِ باطل سے رہا
واسطہ تجھ کو ہمیشہ اپنی منزل سے رہا
آزمائش کے کبھی تو مرحلے درپیش تھے
اور کبھی بادِ مخالف کے چلن دل ریش تھے
مسلکِ شاہیں کی پیرو، تیری ہر تلقین تھی
جاہ و دولت کی کشاکش میں تری توہین تھی!
اپنی شخصیّت پہ تو نے کر دیا سب کچھ نثار
دیکھ! ہے کتنی بلندی پر ترا ذاتی وقار!

کرتے ہیں گردش ہزاروں سال جب شام و سحر!
مادرِ گیتی عطا کرتی ہے تجھ سا دیدہ ور!

تذکرہ "ذوقِ سفر"[۱] کا ہو رہا تھا سر بسر
دل میں کیا آیا کہ تو نے کر لیا عزمِ سفر!

ہو گیا اقبال میں گم تیرا نُطقِ آخریں
آفریں، صد آفریں! اقبال کے رُوحُ الامیں!

"عشق کی اک جست نے طے کر دیا قصّہ تمام"
ہو گیا دم بھر میں رخصت "والیِ دارالسلام"!

۱؎ قائدِ ملت انتقال سے قبل علامہ اقبال کے اس شعر کی تفسیر بیان فرما رہے تھے۔

{ ہر اک مقام سے آگے مقام ہے تیرا
حیات ذوقِ سفر کے سوا کچھ اور نہیں

موت سے یاں، ماہِ ملّت کا جو ماتھا ماند تھا
آسماں پر مضطرب، چوتھی رجب کا چاند تھا

ملّتِ اسلامیہ کی کم نصیبی کی دلیل!
کاتبِ قدرت نے لکھی عمر جو اتنی قلیل!

آہ! وہ منظر، کبھی دُنیا بُھلا سکتی نہیں
کیفیت الفاظ کی صورت میں آ سکتی نہیں

تھا سرِ بالیں، با تاسّف میں دکن کا تاجدار!
سامنے بے جان تھا اُس کا بہادر جاں نثار!

جو صداقت پر بہر حالت رہا ثابت قدم!
کھائیگی تاریخ جس کی شہ پرستی کی قسم!

گونج اُٹھے شورِ ماتم سے زمین و آسماں!
قائدِ ملت ہوا جب دوشِ ملت پر رواں!
نوحہ گر تھی قافلے میں وحدتِ خیر الامم
سرنگوں تھے ملتِ بیضا کے بھاری علَم
اُس جلوسِ منتشر کا "دیدہ ور" بے جان تھا
اِک قیامت کا سماں، مخلوق کا طوفان تھا!
جا رہا تھا آخری منزل کو میرِ کارواں
تھے جلو میں کس مپرسی، اور فلاکت کے نشاں!
ماہ و مہر و مشتری کیا، آسماں حیران ہے!
تیرے مرنے کی ادا پر، زندگی قربان ہے!

یاد تیری ہر قدم پر بجلیاں برسائیگی!
ہائے اب تنظیمِ ملت کیا سے کیا ہو جائے گی!
اپنی من مانی کرے گی گردشِ لیل و نہار
جانشیں کا تیرے صدیوں تک رہیگا انتظار
گر رہے بھی آسماں پر، مدتوں اُس کے قریب
ہو نہیں سکتا شکوہِ ماہ، تاروں کو نصیب
کھو کے سب الماس و گوہر اور "کوہِ نور" کو
حق سے پایا تھا دکن نے اک "سراپا طور" کو
اُس کے دل کے نور سے اب بھی فضا معمور ہے!
موت میں بھی زندگانی کی تڑپ مستور ہے!

چند آنسو

(خطیرۂ شبیر آباد کے صحن میں)

اے شبیر آباد! کتنا بڑھ گیا تیرا وقار
سو رہا ہے تیرے دامن میں دلوں کا تاجدار!
سرمہ سا ہر ذرّہ تیری خاک کا مرغوب ہے
تیرے سینے میں مسلماں قوم کا محبوب ہے!
ایک جذبِ اندروں سے تو نے پایا یہ مقام!
ہے شکستِ آرزو پر نوحہ گر "دارالسلام"!

تیرے اس سنسان خطیرے میں جو محوِ خواب ہے
ملّتِ مظلوم کا سرمایۂ نایاب ہے!
ہر زمانے میں یہ کہنا، گردشِ افلاک سے!
اک نیا خورشید ابھرا تھا دکن کی خاک سے!